صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
آل رسول پر درود
مغالطہ آفرینیوں کا مدلل جواب

مختلف موضوعات پر جناب رفیع اللہ شہاب کی تحریریں نظر سے گزرتی رہی ہیں---
ان کے نام کے ساتھ لفظ پروفیسر کا سابقہ خاصہ رعب نما ہونے کی وجہ سے پہلا تاثر یہ ہوتا ہے کہ تحقیق و تدقیق پر مبنی کچھ معلومات میں اضافہ ہوگا، لیکن واقعاتی اعتبار سے یہ ہوتا ہے کہ ان کے ''ارفع و اعلیٰ فرمودات'' پھلجھڑیوں جیسے وہ شہابیے ہوتے ہیں جو لمحاتی روشن چنگاریوں یا لکیروں کی طرح نمودار ہو کر بعد میں سیاہ ذرّات میں بدل جاتے ہیں--- اپنے مخصوص نظریات کو، جو کہ دراصل وسوسہ اندازی ہوتی ہے، روشن علمی حقائق ثابت کرنے کے لیے وہ ''پرویزی حیلے'' ایسے ماہرانہ انداز میں استعمال کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کے چاند، سورج کی طرح چمکتے دمکتے اجماعی اور اجتماعی عقائد و نظریات اور مسلّمہ علمی اصول و قواعد ان کی لفاظی کے گرد و غبار اور ان کے دلائل کے دھوئیں میں عام نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں--- اسی طرح کا ایک نمونہ ان کے ''تازہ مضمون'' میں ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۰ء کو روزنامہ نوائے وقت کے ملی ایڈیشن میں درود شریف میں لفظ آل کے حوالے سے شائع ہوا ہے---
پروفیسر مذکور کی مغالطہ آفرینیوں کا علمی انداز میں مدلل جواب مدیر ماہ نامہ ''نور الحبیب'' بصیر پور نے دیا ہے، جو نذر قارئین ہے---

[(علامہ) احمد علی قصوری]

27

ملت اسلامیہ اس وقت جس نازک دور سے گزر رہی ہے، تشتت وتفرقہ کی بجائے
اتفاق و اتحاد اور یک جہتی کی ضرورت ہے--- بد قسمتی سے پہلے ہی امت مسلمہ
بہت سے اختلافات سے دو چار ہے--- بعض حضرات علم و تحقیق کے نام پر
ایسے نکات اٹھاتے ہیں، جن سے شکوک و شبہات جنم لینے اور نیا فتنہ رونما ہونے کا
اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے--- ۱۵ ستمبر ۲۰۰۰ء، روز نامہ نوائے وقت لاہور، کے
ملی ایڈیشن میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا مضمون شائع ہوا ہے--- موصوف نے
مسئلہ ختم نبوت کی آڑ لے کر درود پاک میں حضور ﷺ کے ساتھ آپ کی آل کو
شامل کرنے پر حرف گیری کی ہے---
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دراصل اہل بیت کرام سے قلبی بغض ہے، جس کی بنا پر

وہ انہیں درود شریف میں شامل کرنے سے روکنا چاہتے ہیں--- چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"علماء نے اسے (درود شریف کو) خالص رکھنے کے لیے بڑی احتیاط سے کام لیا، تاہم بعد میں آل کے لفظ کا اضافہ کر دیا گیا"---

تعجب ہے کہ پروفیسر صاحب کو اپنی عربی دانی کا تو بڑا دعویٰ ہے مگر انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ درود شریف میں آل کے لفظ کا اضافہ لوگوں نے از خود نہیں کیا، بلکہ جس ذات گرامی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، خود انہوں نے ہی اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ ان کی آل کو بھی درود میں شامل کیا جائے، چناں چہ پوری امت مسلمہ نماز میں جو درود (ابراہیمی) پڑھتی ہے، اس میں اہل بیت اطہار کا ذکر موجود ہے---

کتب احادیث اس پر شاہد ہیں مگر پروفیسر صاحب ہیں کہ وہ "آل" کے لفظ کو بعد کے لوگوں کا اضافہ قرار دیتے ہیں--- ع:

بسوخت عقل زِ حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

پروفیسر شہاب نے درود میں آل کے اضافے کا الزام لگا کر پوری امت مسلمہ کے اجماعی عمل کو غلط ثابت کرنے کی جسارت کی ہے---

پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

"بعض علماء نے درود شریف کی وہ عبارت استعمال کی، جس کی زد عقیدۂ ختم نبوت پر پڑتی ہے"---

اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"(قدیم علماء کو) لفظ آل کے اضافہ پر کوئی اعتراض نہیں، بشرطیکہ یہ اضافہ عربی قواعد کے مطابق کیا جائے"---

یعنی عبارت عربی قواعد کے مطابق ہو تو پھر درود جیسی اہم عبارت میں خود ساختہ اضافہ

قابل قبول ہے اور اس سے عقیدۂ ختم نبوت پر زد نہیں پڑتی --- حالانکہ اگر لوگوں نے از خود اضافہ کرنے کی جسارت کی ہے، تو پھر عبارت کتنی ہی درست کیوں نہ ہو، اسے رد کیا جانا چاہئے ---

شہاب صاحب مزید لکھتے ہیں:

''احادیث کے سنتالیس مجموعے ہیں، ان میں اور قدیم اسلامی لٹریچر میں مسنون درود کی جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ سَلَّمَ''، آل کا اضافہ کر کے اس کی عبارت یوں بنا دی ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ آلِہ وَسَلَّم''---

اس بحث میں پڑے بغیر کہ احادیث کے کل کتنے مجموعے ہیں، مضمون نگار نے جس عبارت کو مسنون بتایا ہے، اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ --- حضور ﷺ کی سنت، صحابہ کرام کی سنت یا محدثین عظام کی سنت؟ ---

احادیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے پوچھا، ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں؟ --- تو آپ ﷺ نے فرمایا، یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّد---

[صحیح مسلم، جلد ا، صفحہ ۱۷۵]

پروفیسر صاحب نے درود کے صیغہ پر اعتراض کرتے ہوئے بہت سی علمی ٹھوکریں کھائی ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے ایک ایسا قاعدہ بیان کر دیا، جس سے ان کی عربیت کا سارا بھرم کھل جاتا ہے --- پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ اسم ضمیر پر اسم ظاہر کا عطف نہیں ہو سکتا''---

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ خود ساختہ قاعدہ بالکل غلط ہے، عربی زبان کا

ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے اور نحو کی کتب متداولہ میں ہے کہ ضمیر مرفوع یا ضمیر منصوب پر اسم ظاہر کا عطف بالاتفاق جائز ہے، البتہ ضمیر مرفوع متصل پر اسم ظاہر کے عطف کے لیے ضمیر منفصل بطور تاکید یا معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان کوئی فاصل لانا ضروری ہے (جیسے جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا وَ مَنْ صَلَحَ [الرعد،۱۳:۲۳])، مگر پروفیسر صاحب ہر ضمیر پر اسم ظاہر کے عطف کو ناجائز قرار دے رہے ہیں--- ضمیر پر اسم ظاہر کے عطف کی قرآن کریم اور حدیث شریف میں بیسیوں مثالیں موجود ہیں---

عجیب مضحکہ خیز قاعدہ بیان کرتے ہوئے پروفیسر مذکور آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر اسم ضمیر پر اسم ظاہر کا اضافہ کرنا ہو تو پھر حرفِ جار علیٰ کا لانا ضروری ہے''---

مذکورہ قاعدہ کی بنا پر تو یہ ضروری قرار پائے گا کہ معنوی طور پر علیٰ کی بجائے کسی اور جار کی ضرورت ہو، تب بھی علیٰ کا اعادہ ضروری ہے، حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں--- قاعدہ یہ ہے کہ جب ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف ہو تو اعادۂ جار ضروری ہے، مگر یہ قاعدہ بھی اتفاقی نہیں، اکثر بصریوں کا تو یہی خیال ہے مگر کوفیوں کے نزدیک بالاتفاق اعادۂ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف نظم و نثر میں جائز ہے اور کون نہیں جانتا کہ عربی زبان کے قواعد ہمیں بصری اور کوفی علماء کے ذریعے پہنچے ہیں--- لہٰذا کوئی عربی عبارت ان دبستانِ علمی کے ائمہ میں سے کسی ایک کے بیان کردہ قواعد کے مطابق ہو، تو اس کا مطلب بداہتہً یہی نکلتا ہے کہ وہ عبارت عربی قواعد کی رو سے درست ہے---

نحو کے مشہور امام ابن مالک اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الفیہ'' میں یہی تحقیق بیان کرتے ہیں کہ اعادۂ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف نظم و نثر دونوں میں جائز ہے، چنانچہ ابن مالک کا شعر ہے:

و عود خافض لدی عطف علی
ضمیر خفض لازما قد جعلا
و لیس عندی لازما اذ قد اتی
فی النظم و النثر الصحیح مثبتا

شارح الفیہ، ابن عقیل ان دوشعروں کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

''جمہور نحویوں نے ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کے عطف کے لیے اعادۂ جار کو ضروری قرار دیا ہے مگر میرے نزدیک یہ ضروری نہیں کیونکہ اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف نظم اور نثر میں سماعاً وارد ہوا ہے---اس کے بعد ابن عقیل نے نظم اور نثر سے مثال پیش کی (جس کی تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی)---

[شرح العلامہ ابن عقیل علی الفیہ، مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۳۶]

نحو کے بہت بڑے امام اور مفسر قرآن علامہ ابن حیان اندلسی نے اپنی تفسیر قرآن ''البحر المحیط'' میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۷ ﴿وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ کُفْرٌ بِہٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ میں (الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اسم ظاہر کا عطف (بہ کی) ضمیر مجرور پر ہونے کا جواز پیش کرتے ہوئے، اسم ظاہر کے ضمیر مجرور پر عطف کے بارے میں مذاہب کی تفصیل یوں بیان کی:

''بصری اسے اعادۂ جار کے بغیر بلاضرورت جائز نہیں سمجھتے، البتہ ضرورتاً وہ بھی جائز مانتے ہیں''---

آگے چل کر ابن حیان اپنا موقف پیش کرتے ہیں:

وَالَّذِیْ نختارہ اَنَّہٗ یَجُوْزُ ذٰلِكَ فِی الْکَلَامِ مُطْلَقًا، لِاَنَّ السَّمَاعَ یُعَضِّدُہٗ، وَ الْقِیَاسَ یُقَوِّیْہِ---

''ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ اسم ظاہر کا ضمیر مجرور پر عطف

مطلقاً جائز ہے، کیونکہ اہل عرب سے جو کچھ مسموع ہوا، اس سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور قیاس سے بھی اسی قاعدہ کو تقویت ملتی ہے"---

پھر ابن حیان نے نثر میں اس کی مثال پیش کرتے ہوئے اہل عرب کا یہ قول نقل کیا:

مَا فِیھَا غیرُہ و لَا فَرسِہ---

یہاں فرسہ میں فرس مجرور ہے اور اس کا عطف غیرہ کی ضمیر مجرور مضاف الیہ پر ہے، یہاں جار کا اعادہ نہیں کیا گیا، ورنہ عبارت یوں ہوتی:

مَا فِیھَا غیرُہ وَ غیرُ فَرَسِہ---

اہل عرب کا "ما فیھا غیرہ و لا فرسہ" کہنا، اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اعادۂ جار کے بغیر بھی اسم ظاہر کا ضمیر مجرور پر عطف جائز ہے اور یہ عربی قواعد کے ہرگز خلاف نہیں---اس سلسلے میں ابن حیان قرآن کریم سے مثال پیش کرتے ہیں:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامِ﴾---[النساء،۴:۱]

یہاں سات مشہور و متواتر قراءتوں میں سے ایک قراءت "والارحامِ" میم کی جر کے ساتھ ہے اور اس کا عطف "بہ" میں ضمیر مجرور "ہ" پر ہے---یہ قراءت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ، حضرت نخعی، حضرت یحییٰ بن وثاب، حضرت اعمش، حضرت ابو رزین اور لغت عرب اور قراءت کے جلیل القدر امام حضرت حمزہ سے منقول ہے---رحمۃ اللہ علیہم

اشعار عرب سے مثال پیش کرتے ہوئے ابن حیان نے نو اشعار سے استشہاد کیا ہے---تفصیل کے لیے البحر المحیط، جلد۲، صفحہ۸-۱۴۷، کا مطالعہ کیا جائے---ان اشعار میں حروف عاطفہ میں سے واؤ، او، بل، ام اور لا کے ساتھ اسم ظاہر کا ضمیر مجرور پر عطف ہے اور ان میں جار کا اعادہ بھی نہیں کیا گیا---

ان مثالوں سے پروفیسر مذکور کا یہ دعویٰ بالکل بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے کہ ''اس بارے میں قرآن و حدیث اور قدیم عربی لٹریچر سے کوئی مثال نہ مل سکی، صرف عربی زبان کا ایک شعر پیش کیا گیا''---پروفیسر صاحب نے تو صرف ایک شعر کی بات کی تھی، مگر یہاں تو نو اشعار کے علاوہ قرآن کریم اور قدیم عربی نثر میں ثبوت مہیا کر دیے گئے---

پھر پروفیسر صاحب کا یہ کہنا کہ ''اشعار میں عربی گرامر کے قواعد کی پابندی نہیں کی جاتی اس لیے اسے درخور اعتنا نہ سمجھا گیا'' درست معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ عربی زبان کے بارے میں بالعموم قدیم شعراء کے کلام ہی سے استشہاد کیا جاتا ہے اور ہمارے یہاں بھی اردو کے کلاسیکل ادب میں اساتذہ کا کلام بطور شواہد پیش کیا جاتا ہے---

ملا علی قاری شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں:

> یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ شعر میں ضرورتاً یہ قاعدہ استعمال ہوا ہے، کیوں کہ ایسا دعویٰ بلا دلیل ہے، اگر اس اعتراض کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر شعراء جاہلیت کے کلام سے لیے گئے بہت سے استشہادات باطل قرار پائیں گے.......... اہل عربیت، نظم و نثر، عربی قواعد کلیہ اور جزئیات میں اہل جاہلیت سے منقول اور اصمعی وغیرہ کے مسموعات پر اعتماد کرتے اور ان سے دلیل اخذ کرتے ہیں---
>
> [ملا علی قاری علی متن الشاطبیہ، صفحہ ۲۲۸]

قرآن کریم سے پیش کردہ آیت مبارکہ ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ'' (میم کی جر کے ساتھ) جلیل القدر امام حضرت حمزہ کی قراءت ہے، جو سبع قراءات متواترہ سے ہے، جس کا انکار کسی بھی مسلمان کو زیبا نہیں---

مفسر قرآن علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

وَ قَرَءَ حمزۃُ بالجَرِّ عطفًا عَلَی الضَّمیرِ المَجرُورِ وَ هٰذِهِ الآیةُ دلِیلٌ لِلکُوفِیِّینَ عَلٰی جَوازِ العَطفِ عَلَی الضَّمیرِ المَجرورِ مِنْ غَیرِ إعَادَةَ الجَارِ فَإنَّ القِرَاءَۃَ مُتَواتِرَۃٌ --- [تفسیر مظہری، سورۃ نساء، جلد۲، صفحہ۳]

''حمزہ نے (الارحــــام کو) جر کے ساتھ پڑھا ہے، جس میں (اعادۂ جار کے بغیر) ضمیر مجرور پر عطف ہے اور یہ آیت کوفیوں کے اس قاعدہ کی دلیل ہے کہ ضمیر مجرور پر جار کے اعادہ کے بغیر عطف جائز ہے، کیوں کہ حضرت حمزہ کی قراءت متواترہ ہے'' ---

مشہور محقق و مفسر قرآن علامہ سید محمود آلوسی نے بھی اس آیت مبارکہ کے تحت تفصیل سے لکھتے ہوئے حضرت حمزہ کی جلالت شان کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے:

حرفِ جار کا اعادہ صرف بصریوں کے نزدیک ضروری ہے---

وَلَسْنَا بِمُتَعَبِّدِینَ بِاتِّبَاعِهِمْ --- [تفسیر روح المعانی، جلد۴، صفحہ۱۸۴]

''اور ہم ان کی پیروی کے پابند اور مکلّف نہیں ہیں'' ---

ان دلائل کی روشنی میں یہ امر متعین ہوگیا کہ ''صَلَّی اللّٰـہ عَلیـہ وَ آلِـہ'' درست عبارت ہے--- زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بصریوں کے نزدیک آلہ پر ''علٰی'' آنا چاہیے تھا، مگر بصریوں کے نزدیک حرفِ جار کا اظہار ضروری نہیں، جہاں حرف جار کے بغیر عطف کی مثال سامنے آئے، وہاں بصری یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں حرف جر مقدر ہے--- لہٰذا اس عبارت کی صحت کے بارے میں بصریوں کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''صَلَّی اللّٰہ عَلیہ و آلِہ'' میں ''علٰی'' مقدر ہے--- یہ نہیں کہیں گے کہ سرے سے یہ عبارت ہی غلط ہے، چنانچہ ملا علی قاری قراءت کی شہرۂ آفاق کتاب شـاطبیـہ کی شرح میں ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کے عطف میں اہل عرب کے مذاہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ مسئلہ اختلافی ہے، اکثر بصری اعادۂ جار کولفظاً یا تقدیراً ضروری سمجھتے ہیں، جیسے آیت کریمہ ''کفر به و المسجد الحرام ''(المسجد الحرام کا عطف بہ کی ''ہ'' ضمیر مجرور پر ہے) یہاں بصری یہی تاویل کریں گے کہ حرف جار مقدر ہے--- پھر نحو کے مشہور امام سیبویہ اور حضرت حسان کے کلام سے اس پر دلیل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یونس، اخفش، (بصری نحویوں) اور تمام کوفیین کا موقف ہے کہ اعادہ جار کی مطلقاً ضرورت نہیں''---

[ملا علی قاری، شرح شاطبیہ، صفحہ ۲۲۸]

لہٰذا درود کی عبارت ''صَلَّی اللّٰہ علیه و آلِه و سلم ''بصریوں اور کوفیوں سب کے نزدیک بالکل صحیح ہے، الا یہ کہ بصری یہاں ''علیٰ ''محذوف تسلیم کریں گے مگر یہ عبارت ہر لحاظ سے درست قرار پائے گی اور اسے عربی قواعد کے خلاف قرار دینا بہت بڑی جسارت اور دلیل جہالت ہے---

پروفیسر موصوف کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ درود میں آل کا لفظ شامل کرنے سے عقیدۂ ختم نبوت پر زد پڑتی ہے--- البتہ اگر ''علیٰ ''آ جائے تو کوئی اعتراض نہیں، گویا علیٰ سدّ سکندری کا کام دیتا ہے--- پروفیسر صاحب ''علیٰ ''کو اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں تو بصریین کی طرح اسے محذوف تسلیم کرلیں، مگر خواہ مخواہ مسلمانوں کی نیت پر شک کرتے ہوئے عقیدۂ ختم نبوت کو متنازعہ بنانے کی جاہلانہ سعی لا حاصل نہ کریں--- ان کا خیال اس طرف کیوں نہیں گیا کہ آلہ معطوف ہے اور علیہ کی ضمیر (جس سے حضور ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے) معطوف علیہ ہے اور معطوف، معطوف علیہ کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا درود کے مروّجہ صیغہ میں تو عقیدۂ ختم نبوت کی تائید ہوتی ہے کہ امتِ مسلمہ آل پر مستقلاً نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل اور اظہار محبت کے طور پر بالتبع درود بھیجتی ہے---

پروفیسر صاحب نے مضمون کے آغاز میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ بحث تفسیر قرطبی میں چالیس صفحات پر ہے، حالانکہ چالیس تو کیا چار صفحات بھی مکمل نہیں بنتے--- اور اس میں بھی خاص درود شریف کی عبارت یا اس میں ختم نبوت کے حوالے سے اشارۃً بھی بات نہیں، ہاں آیت کریمہ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ کے حوالے سے اسم ظاہر کے ضمیر مجرور پر عطف کی بحث کرتے ہوئے امام قرطبی نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں اور پھر اپنی طرف سے فیصلہ کرتے ہوئے وہی بات کہی ہے، جو ہمارا موقف ہے--- یعنی بصریوں کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حرف جار محذوف مانیں گے یا کوفیوں کے موقف کو اختیار کریں گے--- پھر اس کے جواز پر سات اشعار سے استشہاد کیا ہے--- تعصب اور خیانت علمی کی انتہا ہے کہ پروفیسر صاحب کو صرف ایک شعر نظر آیا اور مکمل بحث پڑھنے کی بجائے چند جملوں کو دیکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی، گویا علامہ قرطبی بھی ان کے ہم خیال ہیں---

پروفیسر صاحب نے اپنے مضمون میں کئی جگہ ''اضافہ شدہ درود'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں (حالانکہ آل کے ساتھ علٰی لانے سے تو مزید اضافہ ہو جاتا ہے) حضور ﷺ نے اپنے اہل بیت کو خود، درود میں شامل کیا ہے اور مسلمانوں کا اس پر عمل ہے، حتیٰ کہ وہ فرمان رسول اللہ ﷺ کی تعمیل کرتے ہوئے نماز میں بھی آل محمد پر درود بھیجتے ہیں--- پروفیسر رفیع اللہ شہاب کو خواہ مخواہ مسلمانوں کی نیت پر شک کر کے نئے فتنے کا باب وا کرنے کی بجائے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے---

[ماہ نامہ نور الحبیب، بصیر پور، نومبر ۲۰۰۰ء]